Vol. 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عبدالحلیم شرر کی تحریروں میں حقوق نسواں

WOMEN'S RIGHTS IN THE WRITINGS OF ABDUL HALIM SHARRER

خدیجہ شاہد: پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر (جی سی یونیورسٹی، لاہور)

Abstract: *Abdul Haleem Sharar wrote on women's education, the right of widow, the right to divorce, the right to inheritance, the right of life. Just as a man is free to go out of the house and look after his own affairs, so a woman is entitled to it. He wrote that a woman can do all her work behind the scenes, but in our society we have confined them to four walls of the house. Abdul Haleem Sharar seems to be a strong critic of society that locks a woman in a box. According to him, if a woman is educated, she will be aware of her rights. Going out and staying in touch with people of different nationalities will increase their experiences, observations and better opportunities for development.*

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اُردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ جنگ آزادی کے اثرات کی وجہ سے ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی ڈھانچے میں بہت ساری تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا تو انہوں نے خواتین کی تعلیم پر زور دینا شروع کیا۔ اس سے پہلے معاشرے میں خواتین کو گھر کی چار دیواری تک محدود رکھا جاتا تھا۔ مسلمان اپنی خواتین کو اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں بھیجنے کے قائل نہ تھے۔ ایسے پر آشوب دور میں تعلیمی کوششوں سے متاثر ہونے والوں میں اولین نمایاں نام سرسید تحریک سے جڑے ہوئے افراد کے ہیں۔ خود سرسید احمد نے خواتین کو ان کے حقوق کا شعور دینے کے لیے ”تہذیب الاخلاق“ میں مضامین لکھے۔ اجلاس میں شرکت کی اور اپنی تقاریر کے ذریعے ان میں تعلیم حاصل کرنے کا جوش و جذبہ پیدا کیا۔ اپنے مضمون ”ہندوستان کی عورتوں کی حالت“ میں غلط رسوم و روایات جو اس وقت برصغیر میں رائج تھیں ان کا پردہ چاک کیا اور مسلمانوں کو دین اسلام کے حوالے سے عورت کی عزت و احترام اور اس کے حقوق سے آگاہ کیا۔ عورتوں کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا احساس اپنے مضمون ”کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے“ لکھ کر واضح کیا۔ اُس وقت ہندوستان میں عورتوں کے حقوق پر کوئی خاص توجہ نہ دی جاتی تھی۔ خواتین کے ساتھ قبل از اسلام لونڈیوں اور غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندوٗ سماج میں رہتے ہوئے ہندوٗوں کی بہت ساری رسوم و روایات مسلمانوں کے تہذیب و تمدن میں بھی رچ بس گئیں تھیں۔ مذہب اسلام نے جو عورتوں کو حقوق دیے مسلمان ان تعلیمات کو بھلا چکے تھے۔ ایسے میں سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ اپنے مضامین ”بیوہ عورتوں کا نکاح نہ کرنے کا نتیجہ“، ”بیوہ عورتوں کا نکاح نہ کرنے میں کیا فساد ہے؟“ میں بتایا کہ اس سے جرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاشرہ بدامنی کا شکار ہوتا ہے۔ بیوہ اور طلاق یافتہ عورت کی دوسری شادی کی حقیقت اسلامی قوانین کی روشنی میں واضح کی ہے کہ مذہب اسلام بیوگان کو نہ صرف نکاح کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان کے ساتھ اچھے سلوک کا درس بھی دیتا ہے۔ سرسید کی اشاعت تعلیم کی کوششوں کو نواب سکندر جہاں بیگم نے نہایت قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اظہار خوشنودی کے طور پر الماس کی ایک انگوٹھی بھیجی جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ تھی۔ اسی عہد میں سرسید کے رفیق ڈپٹی نذیر احمد نے تعلیم نسواں، حق مہر، عورتوں کے نکاح ثانی پر قلم اٹھایا۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے کردار تخلیق کئے جس سے پڑھنے والے مثبت اور منفی رویوں کے نتائج سے سبق سیکھ سکیں۔ نذیر احمد سمجھتے تھے کہ عورتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے انہوں نے ناول ”مراۃ العروس“ لکھا۔ جس میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے نصیحتیں ملتی ہیں۔ ”بنات النعش“ میں علم کی اہمیت پر زور دیتے ہیں کہ خواتین کو امور خانہ داری کے علاوہ علم کے مختلف شعبوں کے حوالے سے بھی معلومات ہونی چاہیے۔ مراۃ العروس میں خانہ داری کی تعلیم جب کہ "بنات النعش" اسی سلسلے کی اگلی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ ”توبتہ النصوح“ میں اگر فہمیدہ جاہل نہ ہوتی تو وہ اپنے بچوں کی بہتر تربیت کر سکتی تھی یہ بتا کر علم کی اہمیت واضح کی ہے۔ ”فسانہ مبتلا“ میں کم سنی کی شادی اور تعلیم کی کمی کے نقصانات کو موضوع بنایا ہے۔ بیوہ عورت کی دوسری شادی کی حمایت اور چھوٹی عمر کی لڑکی کی شادی کی مخالفت کی ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں عورت کی کیا حالت تھی۔ بیوہ عورت کو ستی ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسے منحوس سمجھا جاتا تھا

لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج، صغیر شہید پارک نوشہرہ روڈ، گجرانوالہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۔نذیر احمد نے اسلام کے حوالے سے بیوہ کی دوسری شادی کے نقطے کو ناول ”ایامی“ میں واضح کیا ہے۔ نکاح کے وقت اسلام میں حق مہر مرد کا فرض اور عورت حق ہے جس کو ”رویائے صادقہ“ اور الحقوق فرائض“ میں بیان کیا اور عورت کو اس کے حقوق کا شعور دیتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے عورتوں کو اپنے حقوق سے آگاہ کرنے کی بھرپور کوشش کی تا کہ عورت اپنے خیالات وحالات کو بدلے جو ضعیف الاعتقادی عورتوں کے اندر موجود تھی اس کو ختم کرنے کا درس دیتے ہیں۔ وہ عورت کو کسی بھی طرح مرد سے کم تر نہیں سمجھتے اور اُسے ذہنی طور پر مرد کے برابر گردانتے ہیں۔ عورت میں ہر وہ صلاحیت موجود ہے جو مرد میں ہے۔ اسی عہد میں حالی نے ”مجالس النساء“ لکھ کر تعلیم نسواں کا نعرہ بلند کیا۔ گھریلو تعلیم وتربیت اور خواتین کی تعلیم ان کے مسائل، توہم پرستی، ضعیف الاعتقادی اور رسوم ورواج کی اصلاح پر زور دیا۔ مولانا حالی نے مسلمان گھرانوں کی حد سے بڑھی توہم پرستی، ضعیف الاعتقادی کا نقشہ ”مجالس النساء“ میں کھینچا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ”مجالس النساء“ میں سید عباس کی والدہ کے ذریعے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورتیں بھی تعلیم حاصل کر کے اپنے بیٹیوں کو پڑھا سکتی ہیں۔ اسی زمانے میں خواتین کے حقوق کے لیے مذہبی نمائندگی مولوی قطب الدین خان نے کی اور ۱۸۵۷ء میں رسالہ ”تحفتہ الزوجین“ لکھا۔ جس میں خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کا ذکر کیا اور جہالت کی رسوم کی نشان دہی کی۔ حافظ سید منگوریہ کا رسالہ ”آداب النساء“ ۱۸۵۷ء نذیر احمد کا رسالہ ”چندپند“ ۱۸۷۲ء اور مولوی کرامت حسین کی کتاب ”رسالہ علم الاخلاق“ ۱۹۰۷ء میں نکاح کا حق، مال پر حق، اولاد اور عورتوں کے حقوق پر بات کی گئی۔ ان کتب اور رسائل سے اس معاشرے کی خواتین پر خاصہ اثر ہوا اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ تعلیم حاصل کر کے وہ اپنے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کر سکتی ہیں۔ اس طرح خواتین نے خود لکھنا شروع کیا اور پھر ایسے لکھنے والیاں سامنے آئیں جنہوں نے عورتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف نہ صرف لکھا بلکہ حقوق نسواں کی آواز بھی بلند کی۔ رتن ناتھ سرشار عورتوں کی تعلیم، کم عمر لڑکیوں کی شادی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ لڑکی شادی کے بعد اگر بیوہ ہو جائے تو سرشار اس کی دوسری شادی کے حق میں ہیں۔ تعلیم کے حوالے سے رتن ناتھ سرشار کا خیال تھا کہ جہالت کی وجہ سے مرد اور عورت ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے جس سے ازدوجی زندگی مسائل کا شکار ہوتی ہے۔ ”فسانہ آزاد“ کی حسن آرا پڑھی لکھی خاتون ہے۔ وہ پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح روایات کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتی انہیں اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ دوسری لڑکیوں کو بھی اپنی طرح تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتی ہے۔ خواتین کی تعلیم کے لیے کوشش کرتی ہے خواتین کو تعلیم کی اہمیت پر لیکچر دیتی ہے۔ لیکن معاشرے کی خواتین اسے عجیب و غریب نظروں سے دیکھتی ہیں۔ ان کی نفرت اور حقارت کا سامنا کرتے ہوئے انہیں سمجھاتی ہے کہ تعلیم ان کے لیے کتنی ضروری ہے۔ حسن آرا کے لیکچر یہ بتاتے ہیں کہ ہندوٗ اور مسلمان دونوں کے مذاہب میں خواتین کی تعلیم کے لیے مثبت انداز نظر آتا ہے لیکن ہم نے اپنی تاریخ کو، اپنی اصل روایات کو بھول کر ایسا معاشرہ تخلیق کر لیا ہے جس میں خواتین کی تعلیم کی روک تھام کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر کوئی لڑکی تھوڑی بہت کاوش سے تعلیم حاصل کر کے دوسری خواتین کی اصلاح کرنے کی کوشش کرے تو معاشرہ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن وہ اپنی معاشرت اور سماج کے رسم و رواج کے خلاف شادی سے پہلے اپنے شوہر کو دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کی لیاقت کا جائزہ لینا چاہتی ہے۔ حسن آرا شادی میں آزادی رائے کے حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنی خواہشات کا اظہار کرتی ہے۔ حسن آرا کے یہ خیالات آج کی لڑکی کے خیالات معلوم ہوتے ہیں۔ جو آج اپنے حقوق سے واقف ہے اور یہ تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ تعلیم یافتہ لڑکی جس عہد میں بھی رہے گی۔ اسے اپنے حقوق کا شعور ہو گا۔ ناول ”جام سرشار“ میں رتن ناتھ سرشار نے یہ بتایا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کی شرافت کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی حق تلفی کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں اور خود عیاشانہ زندگی گزارتے ہیں۔ ”جام سرشار“ میں ظہورن کے کردار کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ جو خواتین اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی ہیں۔ اپنے حقوق کی پاسداری کرتی ہیں۔ وہ ظالم سماج کے شکنجے میں نہیں آتی ہیں۔ شادی کے لیے آزادی رائے کا حق برصغیر کی لڑکیوں کو حاصل نہ تھا۔ لڑکیاں اگر اپنے دل کی بات زبان پر لے آتی تو اسے معیوب سمجھا جاتا تھا۔ دل کی بات دل میں ہی رہ جاتی تھی۔ رتن ناتھ سرشار نے معاشرے کو اس سے آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ معاشرہ اگر مردوں کو یہ حق دے سکتا ہے تو عورت کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے۔ ”جام سرشار“ میں ثریا کی شادی اس کی مرضی جانے بغیر ایک بوڑھے سے کر دی جاتی ہے۔ سرشار کے نقطہ نظر کے مطابق کسی بھی لڑکی کو جنسی تسکین حاصل کرنے کا حق ہے۔ لیکن اس کی شادی اگر بوڑھے سے کر دی جائے تو اس کو اس کے حق سے محروم رکھنے کے مترداف ہے۔ ”سہر کہسار“ میں قمرن کا شوہر اس کے حقوق پورے نہیں کرتا اور وہ معاشرے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتی ہے۔ناول ”کامنی“میں بھی خواتین کی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔پنڈت رتن ناتھ سرشار کی نظر میں بھی خواتین کی تعلیم صرف امور خانہ داری تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ اسے شاعری اور اخلاقی تعلیم سے بھی آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔جس کے لیے ناول "کامنی" میں کامنی بچیوں کے لیے ایک سکول قائم کرتی ہے۔عبدالحلیم شرر نے سرسید احمد خاں اور ان کے ہم عصر کے ساتھ مل کر ”اصلاح معاشرہ“کا بیڑہ اٹھایا۔

عبدالحلیم شرر کو جہاں سیرت نگاری، سوانح اور تنقید میں مقام حاصل ہے ؛وہیں عورتوں کی اصلاح کا جذبہ اور خواتین کو ان کے حقوق کا احساس دلانا ان کی تحریروں کا اہم جز ہے۔انہوں نے جس زمانے میں لکھنا شروع کیا۔اس زمانے میں معاشرتی نظام تبدیل ہو رہا تھا۔زندگی کی اقدار بدل رہی تھیں۔مرد رفتہ رفتہ پرانی روش کو ترک کرتے جا رہے تھے۔عورتوں کی اصلاح اور ان کے حقوق پر توجہ نہ دینا قومی مفاد کے خلاف سمجھا جانے لگا۔مولانا حالی، سرشار،اور نذیر احمد کی طرح عبدالحلیم شرر عورتوں کی تعلیم کو سب سے اہم تصور کرتے ہیں لیکن ان کا نظریہ نذیر احمد اور سرشار سے تھوڑا سا مختلف ہے کہ انہوں نے عورتوں کے لیے انگریزی تعلیم کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ سمجھتے تھے کہ عورتوں کے لئے مغربی طرز معاشرت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ وقت کا اہم تقاضا ہے۔جس سے چشم پوشی کرنا مسلمان کے حق میں اچھا نہیں ہے ۔اپنے خیال کی تائید میں انہوں نے ایسے نسوانی کردار تخلیق کیے جو بہادر، جنگجو ہیں اور مردانہ وار مردوں کے ساتھ جنگ کے میدانوں میں یا دوسری مہم میں شریک ہوتیں ہیں۔جو اس وقت کے سماج کے لئے اجنبی تھے، جس کا رد عمل یہ ہوا کہ انہیں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

عبدالحلیم شرر کا خیال تھا کہ معاشرے کے ساتھ آگے بڑھنا خواتین کا بھی حق ہے۔لڑکیاں عربی، فارسی کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کر لیں تو سماج میں ان کی اہمیت بڑھ جائے گی۔لوگ خواتین کی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے ان کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق سنجیدگی اختیار کریں گئے۔اپنے ناول ”حسن کا ڈاکو“۱۹۱۳ء کی ہیروئین مہ لقا کا تعارف کچھ یوں کرواتے ہیں۔

> ”مکتب سے اٹھتے ہی ایک ہوشیار اور قابل لیڈی کے سپرد کر دی گئی۔مس منٹن نے اسے اتنی انگریزی سکھا دی کہ خوب اچھی طرح لکھ پڑھ لیتی ہے اور بولتی تو اس روانی اور خوبی کے ساتھ ہے کہ کالج کا کوئی لڑکا اس کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔پردے میں بٹھائے جانے کے بعد ایک فن رسیدہ مولوی صاحب روز صبح کو عربی، فارسی کا سبق دے جاتے تھے۔اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی اُردو کی لیاقت بہت اچھی ہو گئی۔“[۱]

مہ لقا بیگم کے کردار کے ذریعے عبدالحلیم شرر نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔کہ جدید تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد عورتوں میں ایک نیا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر خواتین ظلم و زیادتی برداشت نہیں کرتی، بلکہ ناانصافیوں کے خلاف، اپنے حقوق کی آواز بلند کرتی ہیں۔اس سلسلے میں وہ مردوں سے بھی مقابلہ کرنے سے نہیں گھبراتیں۔شرر مہ لقا بیگم کی بہادری اور شجاعت کا ذکر بہت ہی عزت و احترام سے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ جرات اور حوصلہ تعلیم ہی کے باعث مہ لقا بیگم میں آیا ہے۔

> ”مہ لقا بیگم واقعی بڑی عقلمند، ہوشیار، شائستہ اور پاک دامن بی بی ہیں۔جیسی بہادری اور جرأت سے انہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا ہندوستان کی کوئی عورت نہ کر سکے گی اور اس کے ساتھ جس عقلمندی سے انہوں نے اس گھڑی اپنی عزت اور آبرو بچائی ہے اور جس خوبصورتی سے اپنے حالات سے مطلع کیا ہے یہ بھی کسی اور سے نہ ہو سکے گا اگر عورتوں میں کچھ بھی قدر کرنے کی لیاقت ہے تو چاہیے کہ انہیں اپنا سر تاج سمجھیں۔“[۲]

مہ لقا بیگم کے کردار کے ذریعے شرر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ عورتوں کا تعلیم سے واقف ہونا کتنا ضروری ہے۔وہ عورتوں کے لیے جدید تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے۔(ان کی نظر میں جدید تعلیم جس میں عربی فارسی کے علاوہ انگریزی کو بھی اہمیت دی گئی)۔ان کے خیال میں مختلف علوم سے عورتوں کے تجربات میں اضافہ ہوتا ہے۔"حسن کا ڈاکو" میں مہ لقا بیگم کے کردار کی اسی پہلو کی تعریف کی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5No.3 2021

”ایسی شگفتہ مزاج اور ایسی سمجھ بوجھ میں نے کسی عورت میں نہیں دیکھی۔ تعلیم و تربیت بھی ایسی ہوئی ہے کہ کسی ہندوستانی لڑکی کو نصیب نہیں ہو سکتی اور سو خوبیوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح لکیر کے فقیر نہیں بلکہ نہایت ہی شائستہ اور روشن خیال ہے۔“۳

ناول ”خوفناک محبت“ ۱۹۱۵ء میں جاگیردارانہ معاشرت میں پلی ہوئی عورت کا کردار پیش کر کے شرر نے احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ جاہل اور ناتربیت یافتہ عورتیں ،گھریلو نظام اور معاشرے کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ تعلیم ہر عورت کا بنیادی حق ہے لیکن اس سے دوری معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ ناول میں زینب اس عہد کے شرفاء کی عورتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ کہ ہندوستان کی مسلمان عورتوں میں بنیادی طور پر وہ تمام صفات موجود ہیں جن سے ایک اعلیٰ کردار کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن غلط تربیت اور جہالت سے ان کو ابھرنے اور جلا پانے کا موقع نہیں ملتا۔ ”خوفناک محبت“ میں لکھتے ہیں۔

”خرابی یہ تھی کہ زینب کو کسی قسم کی تعلیم نہیں دلائی گئی تھی اور محبت بھی سوا قصبے کی جاہل اور ضعیف الاعتقاد عورتوں کے کسی شائستہ اور ذی عقل کی نہیں نصیب ہوئی تھی۔“۴

تعلیم سے زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ عورت طریقے سلیقے سے گھر کا انتظام انصرام سنبھالتی ہے۔ اگر میاں پڑھا لکھا ہو اور بیوی پڑھی لکھی نہ ہو تو ازدواجی زندگی کٹھن ہو جاتی ہے۔ شرر نے اس مسئلے کو دور کرنے کے لیے خواتین کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ "خوفناک محبت" میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

”میاں عالم و فاضل اور مرشد طریقت-بی بی جاہل ان پڑھ اور مورکھ نادان آخر تک نبھ جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔“۵

عبدالحلیم شرر کے ناولوں میں اصلاح کا جذبہ موجود ہے۔ عورتوں کی زبوں حالی، توہم پرستی اور معاشرتی خرابیوں پر ان کی نظر ہے۔ تعلیم عورت کا حق اور زیور ہے۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گئی تو معاشرہ بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ”خوفناک محبت“ میں زینب تعلیم کی کمی کی وجہ سے اپنے گھریلو معاملات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتی تو گلشن ماما کے کہنے پر تعویز گنڈے کرواتی ہے تاکہ شوہر اس کے بس میں آجائے۔ وہ اپنے حسن عمل کی بجائے تعویز کے ذریعے شوہر کی چہیتی بننا چاہتی ہے۔

شرر چاہتے تھے کہ عورتیں تعلیم یافتہ ہو کیونکہ عورتوں کی جہالت گھر کی تباہی کے ساتھ پورے معاشرے کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح زینب اپنے جاہلانہ خیالات اور ضد کی وجہ سے اپنے گھر کی بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ عورتوں کی زبوں حالی، توہم پرستی اور معاشرتی خرابیوں پر عبدالحلیم شرر کی گہری نظر تھی۔

شرر ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دینا چاہتے تھے۔ جو عورت کے حقوق سے ان کو محروم کرتی ہیں۔ اس میں شرر پردہ کو عورت کی آزادی میں حائل سمجھتے ہیں۔ اس عہد میں پردے کا جو عالم تھا اس کا ذکر شرر نے بلاقی شاہ کے ذریعے ”خوفناک محبت“ میں اس طرح کیا ہے۔

”عورتیں بھی بڑی جاہل ہوتی ہیں انہیں بھائی بھی کہہ رہی ہیں اور ان سے پردہ بھی کرتی ہیں۔“۶

بلاقی شاہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں میں پردے کا یہ عالم تھا کہ وہ بھائی سے بھی پردہ کرتی ہیں اور اسی رواج کی وجہ سے بدر النساء بیگم کو بہت ساری مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ "بدر النساء کی مصیبت ۱۹۰۱ میں بھی اس رسم کے خوفناک نتائج بیان کیے ہیں۔

”پردے کو رواج دے کر آپ عفت و عصمت کی نگہداشت کرتے ہیں یا شریف زادیوں کے ننگ و ناموس پر ہر طرف سے حملے کرواتے ہیں۔ جو عورت بے پردہ نکلتی ہے اسے کوئی بھی نہیں دیکھتا اور پردے سے آپ عورت کو ایسا انگشت نما کرتے ہیں کہ ہر آوارہ اوباش کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ یہ حفاظت ہوئی یا عزت کو اور خطرے میں ڈالنا ہوا۔“۷

اسلام میں پردہ عورت کا شرعی حق اور فرض ہے لیکن جب پردے کی آڑ میں لوگ گناہ کرنے لگے اسے معاشرے میں معیوب تصور کیا جانے لگا۔ پردے کی حمایت کرنے والوں کو شرر نے اپنے ناول کے دیباچہ ”بدر النساء“ میں جواب دیا ہے۔

''جس طرح کسی بڑے موتی یا ہیرے کو آپ سرمایہ ناز سمجھ کر بندوق میں مقفل کرتے ہیں اسی طرح چاہتے ہیں کہ عورتوں کی بھی مایہ عزت قرار دے کر ڈبیا میں بند کر لیں۔ خلاصہ یہ کہ عورت ہے تو بڑی قابل قدر چیز مگر اس کا شمار غیر ذی روح اشیا میں ہے۔''۸

شرر عورتوں کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ نئی فضا سے ہم آہنگ ہو سکے اور ایک کامیاب زندگی گزار سکے۔ "بدر النساء کی مصیبت" میں اکبریٰ بیگم کے کردار کے ذریعے عورتوں کی جہالت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اپنے شوہر اور ماما عباسی کے تعلقات کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔ دوسری طرف شرر یہ بھی دکھاتے ہیں کہ اپنی جہالت کی وجہ عورتیں کتنی مجبور ا اور دوسروں کی محتاج بن جاتی ہیں۔ ''بدر النساء کی مصیبت'' میں بڑی بیگم اپنے شوہر سے کہتی ہیں۔

''میں تو پڑھی لکھی نہیں جب لکھوگے تم ہی لکھوگے اپنی طرف سے نہیں میری طرف سے ہی۔''۹

شرر کے نزدیک پردے کا بڑا نقصان یہ تھا کہ عورتیں گھر تک محدود ہو کر رہ جاتی تھیں ۔ آداب معاشرت سے ناواقف رہتی ہیں۔ تجربات محدود ہونے کی وجہ سے ان کے خیالات میں وسعت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ مختلف قوموں کے افراد ایک دوسرے سے مل کر نئی نئی باتیں سیکھتے ہیں۔ اس قسم کے میل جول سے دوسروں کے اخلاق سے فیض یاب ہونے تہذیب وشائستگی سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اسلام نے عورت کو خود کو ڈھانپ کر گھر سے باہر آنے کی اجازت دی ہے لیکن مسلمان اپنی عورتوں کو پردے کی آڑ میں ان کے حقوق سے ان کو محروم کر دیتے ہیں۔ اپنے ناول ''مینا بازار'' ۱۹۲۵ء میں اس مسئلے سے بحث کی ہے۔

''خدا نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ عورتیں چار دیواری میں بند رکھی جائیں۔ یہ سب مردوں کے ڈھکوسلے ہیں۔''۱۰

''مینا بازار'' میں لکھتے ہیں۔

''پردے میں رہنے والی عورتیں جو دنیا ومافیا سے بے خبر ہیں اور قیدیوں کی طرح اپنے گھروں میں اکیلی پڑی رہتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ملے جلیں، زمانے اور حالات سے واقف ہوں۔ ہندو مسلمان عورتیں جو الگ رہتی ہیں ، آپس میں مل جل کے رہے دوسرے کے اوضاع واطوار اختیار کریں مسلمان خواتین ،ہندو عورتوں کی شوہر پرستی اور خود فراموش سیکھیں اور ہندو عورتیں مسلمان بیویوں سے شائستگی، خوش اخلاقی اور وضع داری سلیقہ شعاری کا سبق لیں۔''۱۱

شرر عورتوں کے لیے ایسے پردے کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ جو انہیں گھر کی چار دیواری تک محدود کر دے۔ ان کے خیال میں عورتیں پردے میں رہ کر اپنے حقوق سے محروم ہو جاتی ہیں ۔ باہر کی دنیا سے کٹ جاتی ہیں۔ شرر چاہتے تھے کہ عورتیں گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر مختلف قوموں کے لوگوں سے رابطہ قائم کریں تاکہ ان کے تجربات ،مشاہدات میں اضافہ ہو سکے۔ اور ترقی کے بہتر مواقع میسر آسکے۔ وہ عورت کو کسی بھی لحاظ سے مردوں سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسے کردار پیش کیے جو شجاعت و دلیری میں یکتا ہیں۔

ہندو تہذیب کے اثر سے مسلمانوں نے بھی بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے عقد ثانی کو معیوب قرار دیا۔ شرر یہ شرعی حق واپس دلانا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب مذہب عورتوں کو اس کی اجازت دیتا ہے تو انہیں اس سے محروم کرنا سخت ناانصافی ہے۔ ایسی باتوں کو رواج دے کر ہم خود اپنی عورتوں کو بدی کے راستے پر ڈالتے ہیں۔ یہ بات نہ تو عورتوں کے حق میں سود مند ہو سکتی ہے اور نہ معاشرے کے لیے۔ "مینا بازار" ۱۹۲۵ء مطلقہ عورتوں اور بیوہ کی دوسری شادی پر زور دیا ہے۔ ''مینا بازار'' میں جہاں پناہ کی زبانی اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

''بیوہ اور مطلقہ کا نکاح کر دینا شرعاً واجب ہے اور مسلمان کا فرض ہے کہ کسی جوان عورت کو بے شوہر کے نہ رہنے دیں۔''۱۲

ناول " آغا صادق کی شادی" ۱۹۰۸ء میں بے جوڑ شادی، مطلقہ اور بیوہ عورت کی دوسری شادی کو موضوع بنایا ہے۔ بے جوڑ شادیاں جس سے معصوم لڑکیوں کی زندگی برباد ہو جاتی تھی اس پر اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ مطلقہ اور بیوہ عورت کی دوسری شادی جو اس کا شرعی حق ہے جو اسے حاصل ہونا چاہیے اور خواتین کو ان کے حقوق کا شعور دیا۔

Vol. 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مطلقہ عورتوں کا عقد ثانی کو اس عہد میں معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ شرر نے عورت کا یہ شرعی حق اسے واپس دلانے کی کوشش کی۔ ان کا خیال ہے کہ جب مذہب عورتوں کو اس کی اجازت دیتا ہے تو انہیں اس سے محروم کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ایسی باتوں کو رواج دے کر ہم خود اپنی عورتوں کو بدی کے راستے پر ڈالتے ہیں اور یہ بات نہ خواتین کے حق میں سود مند ہے اور نہ ہی معاشرے کے لیے بہتر ہے۔ آغا صادق کی شادی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوتی ہے۔ اس کے ایک دوست کی خوبصورت بیوی جو ایک بچے کی ماں ہوتی ہیں۔ آغا صاحب کے ہمراہ شب عروسی کے لیے بھیج دی جاتی ہے۔ کچھ دیر بعد بہت چالاکی سے اسے واپس بلا لیا جاتا ہے اور اصل دلہن کو بھیجا جاتا ہے لیکن آغا صاحب اصل منکوحہ عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اسے طلاق دے دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف ننھی بیگم کا شوہر بھی اسے طلاق دے دیتا ہے۔ جس سے اس عہد میں عورت کی بے بسی کا بیان ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز کی طرح ادھر سے اُدھر دھکیلی جاتی ہیں۔

شرر عورتوں کی مظلومیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ان کو ان کے حقوق کا احساس دلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عورتیں اپنی زندگی کا اہم فیصلہ شادی بھی اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی بلکہ ماں باپ جہاں چاہے اپنے بچوں کی شادی کر دیتے ہیں اور ان کی مرضی جاننا ضروری خیال نہیں کرتے ہیں۔ شرر نے اپنے ناول "بدر النساء کی مصیبت" میں بدر النساء اور عسکری کے کردار کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح دونوں کے والدین ان کی مرضی جاننا ضروری خیال نہیں کرتے ہیں۔

تعلیم ہر عورت کا حق ہے۔ شرر کا خیال ہے کہ خواتین کے لیے ایسی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا چاہیے جس سے وہ سماج کی بُرائیوں کا سامنا کر سکے۔ مشکل وقت آنے پر حالات کا مقابلہ کر سکے۔ ایسے میں وہ انگریز خواتین سے متاثر نظر آتے ہیں" طاہرہ بیگم "اس کی مثال ہیں۔ جن کی تربیت ایک انگریز خاتون کے دامن میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی ہمت ، دلیری، حوصلے کے سبب وہ خراب سے خراب حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یا پھر "مہ لقا بیگم" جو اپنی ہم جنسوں کو مردوں کی ہوس سے بچانے کے لئے ہر طرح کا خطرہ اٹھاتی ہے۔ شرر نے ایک طرف جہاں انگریزی تعلیم کو عورتوں کے لئے ضروری قرار دیا؛ وہیں وہ اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں عورت کی ملازمت کو بُرا نہیں سمجھتے۔ وہ عورتوں کو معاشی طور پر خود کفیل دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ زندگی کی تمام مشکلات کا سامنا آسانی سے کر سکے۔ مثلاً ناول "طاہرہ" میں طاہرہ بیگم کی زبانی وہ ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

"مجھے اپنے حال پر پڑا رہنے دو۔ میں پڑھانے کی نوکری کر کے یا کسی اور طرح اپنی زندگی بسر کر لوں گی۔"[۱۳]

تحفظ عورت کا حق ہے۔ لیکن کب تک کوئی دوسرا اس کی حفاظت کے فرائض انجام دے۔ وقت آنے پر عورت کو خود بھی اپنی حفاظت کرنی آنی چاہیے۔ عورت کو اپنے بچاؤ کے لیے جوہر سیکھنا چاہیے۔ شرر نے ایسے نسوانی کردار پیش کیے جو (ورجینا، موہنا، انجلینا اور شہزادی بلجان خاتون) ملک و قوم کی حفاظت کے لیے بڑے بڑے معرکے سر کرتی ہیں اور دشمن کو شکست دیتیں ہیں۔ لیکن ہندوستان کے طرز معاشرت نے عورت کے جواہر کو مفلوج کر دیا ہے۔ خواتین ضعیف الاعتقاد، توہم پرست اور جہالت میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ملک و قوم کے کام آنا تو بہت بعد بات ہے۔ عبد الحلیم شرر کے بارے میں صغرا مہدی لکھتی ہیں۔

"ان کو طبقہ نسواں کی ابتر حالت پر سخت تشویش تھی اور معاشرے کے غلط رسم و رواج اور قیود کی شکار عورتوں سے انہیں گہری ہمدردی تھی۔ وہ ناولوں کے ذریعے ان کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں تھے۔ وہ عورتوں کے لیے خود اپنی روزی کمانے کے حق میں ہیں۔"[۱۴]

سرشار عورتوں میں بہادری شجاعت کا وہ جوہر دیکھنے کے متمنی ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں عورتوں کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کے تاریخی ناولوں کے کردار بہادر یکتا اور لاثانی ہیں۔ "حسن کا ڈاکو" کی مہ لقا بیگم اور "طاہرہ" میں طاہرہ بیگم دونوں عربی، فارسی اور انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ شرر کا خیال ہے اگر خواتین انگریزی اور جدید تعلیم سے واقف ہوں گی تو ان کے نظریات و تجربات میں وسعت پیدا ہو گی اور وہ مہذب سوسائٹی کے آداب سے واقف ہوں گی لیکن انگریزی تعلیم کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ شرر اپنے ہم عصروں کے اس خیال کی بھی تردید کرتے ہیں کہ انگریزی تعلیم و تربیت مسلمان کو بے دین اور لامذہب بنا دیتی ہے؛ یا عیسائیوں سے میل جول مسلمانوں کو عیسائی بنا دیتا ہے؛ اس کی مثال طاہرہ بیگم کا کردار ہے۔ جس نے بچپن سے ایک انگریز خاتون (میم) کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے باوجود دین دار، نیک بخت اور سلیقے والی لڑکی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

شرر آزادی نسواں کے طرف دار ہیں۔ان کے خیال میں عورت کو اس حد تک آزادی ضروری ملنی چاہیے۔جس سے اس کی شخصیت کی نشو و نما میں مدد مل سکے۔ان کے خیال میں عورتوں کی عصمت و پاکیزگی کا تحفظ ان پر بے جا پابندیاں لگا کر نہیں کیا جا سکتا۔اگر عورتیں تعلیم یافتہ ہوں گی تو وہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت خود ہی کریں گی۔شرر اپنے پیش رو ناول نگاروں کی طرح خواتین کی تعلیم کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ان کے یہاں تعلیم نسواں ایک قدم آگے بڑھتی نظر آتی ہے اسکی اولیت یہ ہے کہ وہ انگریزی تعلیم کو عورتوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مغربی طرزِ معاشرت سے واقف ہونا نا گزیر سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں انگریزی تعلیم اور تہذیب سے واقفیت وقت کا مطالبہ ہے۔اس سے کنارہ کشی خواتین کے لئے بہتر نہ ہو گی۔

عورتوں کی آزادی کو قدیم نظام اخلاق میں سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔شرر اس پرانے خیال سے متفق نظر نہیں آتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اکثر عورتیں تعلیم یافتہ ہو اور نیک و بد کا شعور ان میں پیدا ہو جائے تو مناسب حد تک آزادی دینے سے ایک صالح اور مکمل شخصیت کی نشو و نما ہو سکتی ہے۔آزادی نسواں کا جو تصور وہ پیش کرتے ہیں وہ اسلامی اور مغربی تہذیب کے ملے جلے اثرات کا نتیجہ ہے۔

حواشی:

۱۔ عبد الحلیم شرر، حسن کا ڈاکو، لکھنو؛ دلگداز پریس، ۱۹۱۳ء، ص ۴۱

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا، ص ۲۴،۲۳

۴۔ عبد الحلیم شرر، خوفناک محبت، لکھنو؛ دلگداز پریس، ۱۹۲۶ء، ص ۸

۵۔ ایضا

۶۔ ایضا، ص ۵۷

۷۔ عبد الحلیم شرر، بدر النساء کی مصیبت، لکھنو؛ مکتبہ اورنگ، ۱۹۳۰ء، ۲۵

۸۔ ایضا

۹۔ ایضا، ص ۱۲

۱۰۔ عبد الحلیم شرر، مینا بازار، لکھنو؛ مکتبہ اورنگ، ۱۹۲۵، ص ۹

۱۱۔ ایضا

۱۲۔ ایضا، ص ۱۱۰

۱۳۔ علی احمد فاطمی، عبد الحلیم شرر بحیثیت ناول نگار، لکھنو؛ نصرت پبلشرز امین آباد، س۔ن؛ ص ۱۴۹

۱۴۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، فیمنزم اور ہم، کراچی؛ وعدہ کتاب گھر، ۲۰۱۳ء، ص ۵۲